تصوف اور سیاست

تحریر

مولانا یٰسٓ اختر مصباحی

بانی وصدر دارُ القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

09350902937

پیش کش:

لِمُرا فاؤنڈیشن

شاہین باغ، نئی دہلی ۲۵

E-mail:-limrafoundationdelhi@gmail.com

Contact no:- 09999734908

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نامِ کتاب	:	تصوف اور سیاست
مؤلّف	:	یٰس اختر مصباحی
طبعِ اول	:	جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۷ھ/مارچ ۲۰۱۶ء
باہتمام	:	دارُ القلم، دہلی
طابع وناشر	:	لِمُرا فاؤنڈیشن، شاہین باغ، نئی دہلی
صفحات	:	بتیس (۳۲)
تعداد	:	گیارہ سو (1100)
قیمت	:	دعاے خیر

پیش کش:

لِمُرا فاؤنڈیشن

شاہین باغ، نئی دہلی ۲۵

E-mail:-limrafoundationdelhi@gmail.com

Contact no:- 09999734908

پیشِ لفظ

دنیا کے مختلف حصوں میں دہشت گردی کا دَور دَورہ ہے۔اور بے شمار انسان، مختلف شکلوں میں، اس دہشت گری کا شکار ہو چکے ہیں اور اب بھی طرح طرح کے خطرات، ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔

یہ دہشت گردی، کہیں انسانیت کے خلاف، کہیں اسلام کے خلاف اور کہیں مسلمانوں کے خلاف ہو رہی ہے۔اور صرف مسلمانوں کے خلاف نہیں بلکہ دوسری قومیں بھی دہشت گردی کا عذاب، جھیل رہی ہیں۔اور ایسا بھی ہو رہا ہے کہ دہشت گردی مخالف مُہم، چلا کر بے قصور انسانوں پر جھوٹے الزامات، لگا کر، انھیں جیلوں میں بند کر دیا جا رہا ہے اور ایک مدت کے بعد، کورٹ، انھیں باعزت، بَری کر دیتی ہے۔

میڈیا کا ایک طبقہ بھی اپنے فرقہ پرستانہ رَوَیّہ اور تجارتی مفاد کے تحت، خبریں اُچھال کر جذباتی ماحول بنا دیتا ہے اور صحیح حقائق کو چھپا کر، بے قصور انسانوں کی عزت وآبرو اور ان کی زندگی سے کھلواڑ کرتا رہا ہے۔

اسلام، امن وسلامتی کا مذہب ہے جو انسانیت کا اِحترام، سکھاتا ہے۔اس سے وابستہ صوفیہ ومشائخ، اپنے اخلاق وکردار سے لوگوں کو قریب کرتے اور انھیں انسانیت کا درس دیتے رہے ہیں۔

تصوف کی صحیح تعلیمات، اگر عام کر دی جائیں اور لوگ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے لگیں تو بہت ساری مصیبتوں اور دہشت گردیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

سَوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کے ہر ادارہ وخانقاہ اور تنظیم وجماعت کے ساتھ، ہمیں تعاون وہمدردی کے جذبۂ خیر کے ساتھ، مناسب حُسنِ ظن سے کام لینا چاہیے اور اپنی دعاے خیر میں انھیں، یاد، رکھنا چاہیے۔

کوئی تنظیم، مسلم مسائل کے حَل کے لئے کسی بھی مناسب انداز میں کوشاں ہے تو اسے ایسا کرنا ہی چاہیے۔اسی طرح، کسی وفد کے ساتھ، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ وغیرہ سے ملاقات وگفتگو کرتی ہے تو یہ بھی رائج ومعمول بات ہے۔

اپنی شناخت کے ساتھ، کوئی تنظیم، یا کوئی باشعور مسلمان، اگر براہِ راست، سیاست کرتا ہے تو

یہ بھی آج کی ضرورت کے عین مطابق ہے۔

کس سیاسی پارٹی سے اس کا تعلق اور اس کی وابستگی ہے؟ یہ اس کی صواب دید پر، مُنحصر ہے۔ البتہ، کسی ایسی پارٹی سے ہرگز، وابستگی نہیں ہونی چاہیے جو آر ایس ایس نظریات کی حامل ہو۔

میری تحریک پر 'لُمَر افاؤنڈیشن' کی طرف سے ہونے والی ''دہشت گردی مخالف کانفرنس' بتاریخ ۱۹/اپریل ۲۰۱۵ء۔بمقام ماؤلنکر ہال، کانسٹی ٹیوشن کلب، رفیع مارگ، نئی دہلی میں صحافی، دانشور، پروفیسر، متعدد سیکولر پارٹیوں کے نمائندے، مرکزی حکومتِ ہند کا ایک نمائندہ، یہ سب مدعو اور شریک تھے۔مگر، بھاجپا کا کوئی نمائندہ، نہ مدعو اور نہ ہی شریک تھا۔

صرف، دہلی کے بعض حضرات، بحیثیت مقرر، مدعو تھے، جو اپنے طور پر اپنی سواریوں سے آئے تھے۔

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس وسیمینار (۱۷/تا ۲۰/مارچ ۲۰۱۶ء) کی تفصیلات اور مدعو شخصیات کا علم، نہ ہونے کے باوجود، میں نے اس میں شرکت سے اِس لئے اِنکار کیا کہ:

دہلی کے طویل تجربات ومشاہدات کی روشنی میں مجھے، یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ:

اس کے اندر کوئی ''خُفیہ ہاتھ'' اور اس کے پیچھے، کسی سیاسی پہلو سے کوئی ''لمبا کھیل'' ہے۔اور دہلی میں آئے دن، ایسے کھیل ہوتے رہتے ہیں۔

میں نے پہلے ہی مرحلہ میں بِفَضْلِہٖ تَعالیٰ، جو بھانپ لیا تھا، وہ آج، سب کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم کے صدقے میں ہم سب پر اپنا فضل وکرم، فرمائے اور شرور وسیئات وآفاتِ نفس سے محفوظ رکھے۔آمین۔

''لُمَر افاؤنڈیشن'' نیک جذبات کے ساتھ، راقمِ سطور، یٰسین اختر مصباحی کی چند تحریریں، جو میڈیا (الیکٹرانک وپرنٹ) میں مارچ کے پہلے ہی ہفتہ میں آ چکی ہیں۔اُنھیں، آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے، جن سے آپ کو بہت سے حقائق کا علم، ہو جائے گا اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں آپ کو بہت آسانی ہوگی۔اِنْ شَاءَ اللہ تَعالیٰ۔

یٰسین اختر مصباحی
دارُالقلم، قادری مسجد روڈ
ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی
9350902937

مؤرخہ
۲۸/جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۹/مارچ ۲۰۱۶ء، بروز چہار شنبہ

بھاجپا کی سیاست، منظور ہے نہ قیادت

''**جہاد**'' اور ''**تصوف**'' کا صرف ''**مذہبی اِستعمال**'' نہیں، بلکہ بعض اوقات وحالات میں بڑے پیمانے پر ''سیاسی اِستحصال'' بھی ہوا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔

تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر، بعض مغربی افریقی ممالک، مثلاً: اَلجزائر، مَراکش، لیبیا وغیرہ پر فرانس اور اٹلی جیسے طاقتور یوروپی ممالک کی فوجی مداخلت اور قبضہ وتسلُّط کے وقت، مختلف خونریز معرکوں میں ان مسلم ممالک کی صدیوں قدیم خانقاہوں اور ان سے وابستہ، درویشوں، صوفیوں نے جارِح وغاصِب ممالک کی فوجی قوت کی شدید جنگی مزاحمت کی اور ان کا مقابلہ کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں ان کے دانت، کھٹے کر دیے تھے۔

اِسی طرح، مغربی افریقہ کے ایک بہادر وجاں باز **مسلم قبیلہ ''بَربَر''** نے ان یوروپی ممالک کی فوجی قوت و طاقت کے خلاف، نہایت بہادری و بے جگری کے ساتھ، محاذ آرائی کر کے جارِح وغاصِب دشمنوں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ، اُتار دیا تھا۔

اپنے اِنتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر، یوروپی ممالک کے اَربابِ سیاست وصحافت اور ان کی پروپگنڈہ مشنری نے دنیا بھر میں:

تصوف وصوفیہ کو بدنام کرنے اور مسلم قبیلۂ بَربَر کو درندہ وخونخوار قبیلہ کی شکل میں پیش کرنے کے لئے اپنی تجوریوں کے دِہانے کھول دیے۔

یہ، درحقیقت ''تصوف'' اور ''بَربَر'' کے خلاف، کُھلی ہوئی ''دہشت گردی'' تھی۔

تصوف تو اپنی روحانی توانائی کے ساتھ، آج بھی زندہ سلامت ہے۔ لیکن درندگی وخونخواری کی مثال بنا کر، رائج کی گئی ایک نئی اِصطلاح کا یہ **مظلوم ''قبیلۂ بَربَر''** کہیں ''**بَربَریت**''، کہیں ''**بَربَرتا**''، کہیں ''**بَربَرازم**'' کا آج تک، بُری طرح، شکار ہے۔

اور اَلمیَّہ، یہ ہے کہ مسلمان بھی اپنی تاریخی بے خبری کے نتیجے میں اس ''**اِصطلاحی دہشت گردی**'' کو قبول کر کے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی روح کو تڑپا رہے ہیں **اور کسی فرد و جماعت کی جارِحیت ودرندگی کو ''بربریت'' سے تعبیر کرتے چلے آ رہے ہیں۔**

یہ، وہ مسلسل ظلمِ عظیم ہے جس کا کسی کو اِحساس وشعور بھی نہیں ہو پا رہا ہے۔

۱۹۸۰ء کی دَہائی میں افغانیوں نے اپنے ملک، افغانستان میں ہونے والی، روسی مداخلت اور فوجی قبضہ وتسلُّط کے خلاف، گھمسان کی جنگ لڑی۔

اُس وقت، امریکہ نے اپنے عالَمی حریف ملک، روس کو افغانستان سے نکال باہر کرنے کے لئے اپنے حلیف ملک، سعودی عرب کے اِشتراک و تعاون سے افغانیوں کے درمیان ''جہاد'' کے فضائل کی تبلیغ کر کے ان کا جذبۂ جہاد، مُشتعل کیا اور کروڑوں، اَربوں ڈالر کے جدید ہتھیار سے انھیں مسلّح کر کے بِالآخر، روس کو افغانستان، چھوڑ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جس کے بعد، روس کی داخلی کمزوری نے اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور آدھے درجن، نئے ممالک، نقشۂ عالم پر اُبھر آئے۔

یہ حقیقت، ساری دنیا کو معلوم ہے کہ:

''**طالبان**'' اور ''**اَلقاعِدہ**'' اسلام دشمن ممالک، اسرائیل وامریکہ وانگلینڈ کے ماہرینِ سیاست کی ''**شیطانی کھوپڑی**'' کی پیداوار ہیں۔

اسی ''انٹرنیشنل لابی'' نے ان تنظیموں کی پرورش وتربیت کی اور انھیں پَروان چڑھا کر تندرست وتوانا بنایا۔

دس بارہ سال پہلے، ایک چینل کا بڑا تجربہ کار صحافی، میرے پاس (دارُ القلم، دہلی) آیا اور اس نے مجھ سے سوال کیا کہ:

افغانستان میں ہونے والی دہشت گردی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اس پہلے اور کثیرُ المَقاصِد سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا کہ:

خیال کیا ہے؟ بَس ایک ہی خیال ہے کہ:

امریکہ کے فراہم کردہ ہتھیاروں کا رُخ، جب تک، روس کے خلاف تھا، اُس وقت تک، افغانیوں کا یہ عمل، امریکی پروپگنڈہ مشنری کی نظر میں ''جہاد'' تھا اور جب انھیں افغانیوں نے امریکی ہتھیاروں کا رُخ، امریکی فوج کی طرف کر دیا تو:

دنیا بھر میں، ان کی ''دہشت گردی'' کا پروپگنڈہ کیا جانے لگا۔

اس جواب کے بعد، میرے اِصرار کے باوجود، کوئی سوال کیے بغیر، وہ صحافی، بعُجلت تمام، رخصت ہو گیا۔

سُقوطِ روس کے بعد، ایک نئے عالَمی حریف کی تلاش میں، امریکہ نے ''اسلام'' کو اپنا سب سے طاقتور حریف، سمجھ لیا، اِس لئے اس کے خلاف، سازشی رفتار سے چلتے، ہوئے ''بنیاد پرستی''، ''اسلامی بنیاد پرستی''، ''دہشت گردی'' اور بِالآخر ''اسلامی دہشت گردی'' کے اپنے ہَدف تک اس نے رسائی، حاصل کر لی۔

ابھی تازہ ترین بات ہے کہ:

عربِ ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجا کر، اسرائیل کو تحفظ، فراہم کرنے کے لئے ایک نئی تنظیم، عالَمِ وجود میں آئی۔ جو ''داعِش'' کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

اس ''داعِش'' کو اتنی قوت بخش غذا، فراہم کی گئی کہ:

یہ نوزائیدہ تنظیم، بگولے کی طرح، اٹھی اور طوفان کی طرح، شام وعراق کے بڑے حصے پر، چھا گئی۔

اس کے مالی اِستحکام، اَفرادی کثرت، عَسکری تربیت وقوت اور مسلسل فتوحات نے اسے اتنا بے قابو بنا دیا ہے کہ:

درندگی وسَفَّاکی اور انسانیت سوز مظالم کے سارے ریکارڈ، اس ''داعش'' نے توڑ دیے۔

''داعِش'' نے ''اَلْقاعِدہ'' کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ اور ''داعش'' کی ہیبت سے، نہ صرف یہ کہ:

عربِ ممالک، لرزنے لگے، بلکہ انٹرنیشنل لابی کی اُس ''شیطانی کھوپڑی'' میں بھی اس نے ہلچل مچا دی، جس نے اسے جنم دیا تھا۔

اپنے علاوہ، سارے مسلمانوں کو کافر ومشرک سمجھ کر، ہر مذہب وملّت کے لوگوں پر ظلم وستم کرتے رہنے والے، صدیوں قدیم ''خارِجی فرقہ'' کی سبھی صفات وخصوصیات، داعش کے اندر پائی جاتی ہیں، اِسی لئے عالمی میڈیا، بِالخُصوص، عرب میڈیا، اسے ''خارِجی'' کہنے اور لکھنے لگا ہے۔

ماضی میں ''اَلْقاعِدہ'' کے خطرات واثرات کی روک تھام کے لئے تصوف وصوفیہ، بِالخُصوص، مولانا جلالُ الدّین، رومی سے متعلق، مضامین ورسائل وکتب لکھے اور لکھوائے گئے۔

سیمینار ہوئے۔ کانفرنسیں ہوئیں۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ:

یوروپ وامریکہ میں تصوف کی فصلِ بہار آ گئی ہے۔

اور اب، سَفَّاک وبے لگام، داعِش کے وحشیانہ حملوں، اس کی دھمکیوں، اور یوروپ وامریکہ کو درپیش خطرات نے انٹرنیشنل لابی کو مجبور کیا کہ ''تصوف'' کے دامن میں پناہ لی جائے۔

چنانچہ، یوروپ وامریکہ میں زور وشور کے ساتھ، تصوف کا ذکر ہونے لگا اور اس کا سبق پڑھایا جانے لگا۔

یہ سوچ، کچھ بُری نہ تھی، اگر اس کے اندر، نیک نیتی کا بھی کوئی عنصر، شامل ہوتا۔

مگر، گھوم پھر کر، مسلمانوں کو ہی تصوف کا سبق پڑھانے کے پسِ پردہ بھی نہایت شاطِرانہ بدنیتی، پوشیدہ ہے کہ یہی مسلمان:

دنیا بھر کی دہشت گردی کے جنم داتا اور اصل ذِمّہ دار ہیں۔ دہشت گرد، انھیں کی صفوں میں پائے جاتے ہیں، اِس لئے یہی اس درد کا علاج، اور اس کا مداوا بھی کریں۔

انٹرنیشنل لابی نے جس بدنیتی کے ساتھ، ''جہاد'' کا جذبہ، مُشتعل کیا تھا، اُسی بدنیتی کے ساتھ، اس نے ''تصوف'' کی طرف بھی رُخ کیا ہے۔

یعنی، اپنے مخصوص عزائم کے تحت، جب جہاد، یا تصوف، جس کی ضرورت، پیش آئے، اُس کا چہرہ، سامنے کر دیا جائے۔

اور اس بازی گری کے ذریعہ، اپنے مقاصد واَہداف تک، رسائی، حاصل کی جاتی رہے۔

ہمارے ہندوستان میں بھی قابلِ مذمّت دہشت گردی ہوئی اور برسوں تک ہوتی رہی۔ جس کا میڈیا میں چرچا ہوتا رہا۔ لیکن میڈیا کے ایک فرقہ پرست گروپ نے خبر رسانی اور رپورٹنگ کی جس مذموم ذہنیت کا برسوں، مظاہرہ کیا، وہ ''صحافتی دہشت گردی'' کی بدترین مثال ہے۔

دہشت گردی کے الزام میں بے شمار مسلم نوجوانوں کو پھنسا کر، ان کی کردار کشی اور ان کی زندگی برباد کرنے میں بعض متعصّب وفرقہ پرست پولیس آفیسروں کا مذموم کردار بھی محکمۂ پولیس کے دامن پر، ایک بدنما داغ ہے۔

دہشت گردی، جیسی اور جس کی طرف سے بھی ہو، سخت قابلِ نفرت ہے۔

یہ دہشت گردی، درحقیقت، فرقہ پرستی کی پیداوار ہے۔ خواہ، کسی شعبہ ومحکمہ اور قوم ومذہب سے وابستہ افراد کی طرف سے ہو۔

کسی کا کوئی حق، غَصب کیا جائے، اس کے ساتھ، زیادتی وناانصافی کی جائے، اس کی حُرمت وناموس پر حملہ کیا جائے، اس کا مال ومتاع چھینا جائے، اس کے ساتھ، مذہبی ونسلی تعصُّب وتفریق کا برتاؤ کیا جائے، اسے ذہنی کرب واَذیت میں مبتلا کیا جائے۔

یہ سب، دہشت گردی کے بدترین مظاہر ہیں۔

تین چار سال پہلے، شہر کٹنی-Katni (مدھیہ پردیش) کی ایک پُر ہجوم، پریس کانفرنس میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ:

بھارت میں ہونے والے آتنک وَاد (دہشت گردی) کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے؟

میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

بھارت میں جتنا آتنک وَاد ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ یہ آتنک واد، جاری رہنے کے آثار، اب نظر نہیں آ رہے ہیں۔ کیوں کہ:

کچھ اصلی آتنک وَادی بھی، اب پکڑے جا رہے ہیں۔ اور ان کے ''تھنک ٹینک'' پر، اب سوالیہ نشان، لگ چکا ہے۔

اس پریس کانفرنس میں، بیس بائیس صحافی، موجود تھے۔ مگر اپنے پہلے ہی سوال کا جواب

پا کر، ان کا سلسلۂ سوال، اچانک، اِس طرح، منقطع ہو گیا کہ:

کسی دوسرے سوال کے لئے میرے اِصرار کے باوجود، کوئی صحافی، تیار نہیں ہوا۔ سب نے، یکے بعد دیگرے، اپنی اپنی راہ لی۔

حد درجہ افسوسناک اور تشویشناک بات، یہ ہے کہ:

چند سالوں سے اسلام دشمن، انٹرنیشنل لابی نے اپنی پروپگنڈہ مُہم کے تحت، اسلام کو ''مُعتدِل اسلام'' اور ''اِنتہا پسند اسلام'' کے خود ساختہ، دو خانوں میں تقسیم، کرنے کی سازش، کر رکھی ہے۔

جو، قیامت تک کامیاب، نہیں ہو سکتی۔ مگر مسلمانوں کے درمیان، اِختلاف و اِنتشار کے زہریلے جراثیم، پھیلاتے رہنے سے، وہ، باز بھی نہیں آ سکتی۔ جس سے **علما و دانشورانِ مِلّت کو ہمیشہ، چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے۔**

افغانستان میں اسی انٹرنیشنل لابی نے اپنی پلاننگ کے مطابق، ''جہادی اسلام'' کو آگے بڑھایا تھا اور سعودی عرب، مال و ریال کے بل بوتے پر، اِس حنفی ملک کو اپنا ایک ماتحت ملک، بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے وہابی لٹریچر کے ساتھ، وہابی مبلّغین کی کھیپ، بھیجتا رہا۔

یہی سعودی وہابی تاریخ، ۱۹۲۵ء کی بھی ہے۔ جب، اس نے حرمین شریفین (حجازِ مقدس) اور طائف وجدّہ پر قبضہ کیا۔ اور:

مسلمانانِ مکہ ومدینہ وطائف وجدّہ پر مظالم کے پہاڑ توڑے۔

جن کا ذکر، مولانا عبدالباری، فرنگی محلی لکھنوی، مولانا حسین احمد مدنی، نواب صدیق حسَن بھوپالی، مولانا محمد علی جوہر، خواجہ حسن نظامی دہلوی وغیرہ نے اپنی مختلف تحریروں میں کیا ہے۔

یہ تاریخی حقائق، صفحاتِ تاریخ پہ ثبت ہیں۔ جنھیں، ریال اور درہم و دینار کے ذریعہ، مٹایا نہیں جا سکتا۔

اس کے ساتھ ہی، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ:

ڈالر و پونڈ اور مال و منصب کے سہارے، مسلمانانِ ہند کو مذہبی و سیاسی طور پر لڑانے بھڑانے کی کوئی سازش و کوشش بھی، ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۲۱ رجنوری ۲۰۱۵ء کو ایک سرکاری ایجنسی کی جانب سے تفتیش کا میرے ساتھ جو حادثہ ہوا، اُس وقت، مسلمانوں کے ہر طبقے اور ساری تنظیموں، جماعتوں کی طرف سے ہمدردی و یک جہتی کا بے مثال مظاہرہ ہوا۔ اس حادثہ کے دس بارہ روز بعد، ایک معروف مسلم لیڈر نے میرے ساتھ، اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے اپنا ایک اہم واقعہ سنایا کہ:

صوبۂ جموں و کشمیر میں جنگ جُو عَناصِر، جب، سرگرم تھے تو وہاں کے بعض سرکاری

ذمّہ داران وآفیسران نے اپنا یہ خیال، ظاہر کیا کہ:

جب تک کشمیر میں ''صوفی اسلام'' کا بول بالا تھا، اُس وقت تک، یہاں، مکمل امن و امان، قائم رہا۔ لیکن جب سے یہاں ''وہابی اسلام'' آیا ہے، اُسی وقت سے یہاں کے حالات، بگڑنے شروع ہوئے اور مارکاٹ کا سلسلہ، شروع ہوا ہے۔

اس مسلم لیڈر کے بقول: میں نے کہا کہ:

اس ''وہابی اسلام'' کے پیدا کردہ، ان خطرات اور جُنونی حالات پر قابو پانے کے لئے آپ لوگوں نے کیا قدم اٹھائے ہیں؟

انھوں نے میرے سوال کے جواب میں تصوف وصوفیہ سے متعلق، چند دیدہ زیب کتابیں، دکھاتے ہوئے کہا کہ:

دیکھیے! یہ کتابیں، ہم نے اپنے ذرائع سے لکھوائی اور شائع کرائی ہیں۔

''مُعتدِل اسلام'' اور ''اِنتہا پسند اسلام'' کی طرح، چند سالوں سے ''صوفی اسلام'' اور ''وہابی اسلام'' بھی درِحقیقت، انٹرنیشنل لابی کی ''شیطانی کھوپڑی'' کی رائج کردہ اِصطلاح ہے۔ جو مسلم معاشرے میں گھسنے کی راہیں، تلاش کر رہی ہے۔ اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔

اس خطرناک صورتِ حال سے ہوشیار اور چوکنّا رہنا، ہر باشعور مسلمان کے لئے، ضروری ہے۔

اسلام، وہی اسلام ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اسلام، عقائدِ قطعیہ اِجماعیہ کا مجموعہ اور ناقابلِ تقسیم، حقیقتِ واحِدہ ہے۔ اس کے برعکس، کسی کا کوئی نام نہاد اسلام ہے تو اسلام اور اہلِ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اسلام کی کوئی فرضی و اِختراعی تفریق و تقسیم، اہلِ اسلام کے لئے قطعاً، ناقابلِ برداشت ہے۔

اسلامی عقائد ونظریات، اسلامی رِجال وشخصیات اور اسلامی تاریخ وتہذیب پر، جب، کوئی اسلام دشمن قلم کار، اپنی جہالت و شرارت کی بوچھار کرتا ہے تو اس کے پیشِ نظر، اسلام اور **صرف اسلام ہوتا ہے۔**

اس کی نظر میں کوئی سنّی اسلام ہوتا ہے، نہ شیعی اسلام ہوتا ہے، نہ ہی وہابی اسلام ہوتا ہے۔

صدیوں سے سنّی، شیعہ، وہابی، یہ سارے فرقے پائے جا رہے ہیں جن کی تفریق کا خاتمہ، بظاہر، ناممکن ہے۔ **مگر غیروں کی نظر میں، یہ سب کے سب، مسلمان۔ اور صرف مسلمان ہوتے ہیں۔**

کسی مسجد پر جب کچھ فرقہ پرست وشر پسند عَناصِر کی طرف سے کوئی حملہ ہوتا ہے۔ کسی داڑھی، ٹوپی اور بُرقعہ کی عزت، جب کبھی داؤ پر لگتی ہے۔ کسی نشان زَدمکان، دکان، اور

فیکٹری کو جب آگ لگائی جاتی ہے تو شر پسندوں اور حملہ آوروں کی نظر میں:

یہ ساری چیزیں، مسلمان اور صرف مسلمان کی ہوتی ہیں۔

کسی سنّی کی ہوتی ہیں، نہ کسی شیعہ کی ہوتی ہیں، نہ ہی کسی وہابی کی ہوتی ہیں۔

اِن عملی حقائق سے نگاہیں پھیر لینا اور اسلام و مسلمین کے اِجتماعی مفادات و مصالح کو نظر انداز کر دینا:

خود، اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دینے اور خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔

مسلمانانِ ہند کے اِجتماعی مفادات و مصالح کا تقاضا ہے کہ:

اپنے سنگین مذہبی اِختلافات کے باوجود، اپنے اِجتماعی مفاد کا تحفظ کریں۔

اپنی تعلیم و تجارت و صنعت و حرفت کو فروغ دیں۔ اور اپنے جائز مطالبات کی تکمیل کے لئے ایک زبان ہوکر، اپنی آواز، بلند کرتے رہیں۔

جیسا کہ مسلم پرسنل لا، بابری مسجد، اردو زبان، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، تناسب آبادی کے اعتبار سے مسلم ریزویشن اور اپنے دستوری حقوق کے تحفظ، نیز ہندو مسلم فسادات کے خاطیوں، مُجرموں، اور ذِمّہ داروں کو سزا دِلانے اور مظلومین کے ساتھ، انصاف کرنے، انھیں معاوضہ دلانے کے سلسلے میں یک زبان، وہ اپنی آواز بلند کرتے چلے آرہے ہیں۔

سنگھ پریوار (آر ایس ایس اور اس کی شاخیں) کے، وہ مسلم دشمن فرقہ پرستانہ و نسل پرستانہ نظریات، ساری دنیا پر واضح ہیں:

جنھیں، رُو بعمل لانے کے لئے، اس کی درجنوں شاخیں، شب و روز، سرگرم ہیں۔

اس کی پہلی سیاسی شاخ، جن سنگھ کی ایک زمانے تک کوئی صوبائی حیثیت بھی نہیں تھی، وہ، ایمرجنسی (۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۷ء) کے بعد، اپنی توسیعی حکمتِ عملی کے تحت، جنتا پارٹی میں ضم ہوکر، مرکزی حکومت میں شریکِ اقتدار اور کچھ مدت تک اس کے فوائد، حاصل کرنے کے بعد:

دوہری رُکنیت کے سوال پر جنتا پارٹی سے الگ ہوکر، بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) کی شکل میں سامنے آئی۔

اور آج، یہی بھاجپا، شری، نریندر مودی (وزیر اعظم) کی قیادت میں مرکزی حکومت پر قابض ہے۔

اس بھاجپا کا نظریاتی مرکز، ناگ پور (مہاراشٹر) ہے۔ جس کے حکم اور اشارے پر ہی اس کی بنیادی پالیسی، طے ہوتی ہے۔

جن سنگھ سے بھاجپا تک کی سیاسی تاریخ، یہی رہی ہے کہ:

دوسروں سے مل کر، ان کے سہارے، اپنے ووٹ بینک میں اضافہ کرتی رہی۔

جس کی تازہ مثال، یہ ہے کہ:

صوبۂ جموں و کشمیر میں مفتی سعید کی سیاسی پارٹی، پی ڈی پی کی صوبائی حکومت میں شریکِ اِقتدار ہوکر، اس نے حکومت کے اثر و رسوخ سے کشمیری مسلمانوں میں گھس پیٹھ شروع کر دی۔

مدارس و مکاتب، مسلم تنظیموں، خانقاہوں، مسلم دانشوروں، صحافیوں اور عُلما و مشائخ سے رابطہ، پیدا کر کے، ان کی صفوں میں اپنے ہم خیال آدمی پیدا کرنے لگی۔

اس نئی صورتِ حال سے باشعور کشمیری مسلمان، حد درجہ، پریشان اور تشویش و اضطراب میں مبتلا ہیں۔

بھاجپا نے کشمیر سے کنیا کماری تک، اب اپنی زیادہ توجہ، **مسلم ووٹ پر مرکوز کر دی ہے۔**

کیوں کہ:

آر، ایس، ایس، نظریات کی وجہ سے مسلم ووٹ، بھاجپا سے ہمیشہ، دور رہا ہے اور اسے بھاجپا کی سیاست و قیادت، کبھی منظور نہیں رہی۔

یوں تو بھاجپا کا نعرہ ہے: سب کا ساتھ، سب کا وِکاس۔ لیکن عمل یہ ہے کہ:

سب کا ساتھ، اپنا وِکاس۔ یا۔ سب کا ساتھ، سب کچھ، اپنے پاس۔

پہلے مرحلے میں پانچ صوبائی انتخابات اور دوسرے مرحلے میں اس کے بعد کا اہم ترین پارلیمانی انتخاب جیتنے کے لئے بھاجپا کو اچھے خاصے مسلم ووٹ کی شدید ضرورت ہے۔

مسلم ووٹ سے اپنی دوری، کم کرنے کی مختلف تدابیر کا سلسلہ، جاری ہے۔

شری، نریندر مودی، چند ہفتہ قبل اپنے ایک غیر ملکی دَورے کی تقریر میں ’’صوفی اسلام‘‘ کی فضیلت و اِفادیت بھی بیان کر چکے ہیں۔

صوفیوں، صحافیوں، دانشوروں، تنظیموں، مدرسوں، خانقاہوں اور عُلما و مشائخ کرام کے ساتھ، بھاجپا کے تربیت یافتہ، یا۔ اس کے مقرر کردہ، یا۔ کچھ فریب خوردہ افراد، مختلف حیلوں، بہانوں سے اپنے رَوابط و تعلقات، خوشگوار بنانے کی مُہم میں لگے ہوئے ہیں۔

آنے والے وقتوں میں دور و نزدیک کی بھاجپائی آمیزش کے ساتھ،

نہ جانے کون سا چہرہ اور کون سا منظر سامنے آئے اور کس ترکیب و تدبیر کے ساتھ، مسلم ووٹ پر شب خوں مارنے کی تیاری ہو؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ مگر، **ہر مسلمان، وقت سے پہلے سمجھ لے۔ اور ضرور سمجھ لے کہ:**

تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

مسلمانوں کو کیوں منظور نہیں ہے بھاجپا کی سیاست وقیادت؟

تصوف اور صوفیہ کا سیاسی اِستعمال!

مسلمانوں کے لئے ناقابلِ قبول

بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی، سابق نام: جن سنگھ) کو مسلمان، اور مسلمانوں کو بھاجپا، یہ دونوں، ایک دوسرے کی نظر میں ہمیشہ، خار کی طرح، کھٹکتے رہتے ہیں۔ اِس بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) کو مسلمانوں پر کوئی بھروسا نہیں اور مسلمان بھی بھاجپا کو بھروسا کے قابل نہیں سمجھتے۔

مسلم ووٹ کی طرف، بھاجپا، للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہے۔ مگر، مسلم ووٹ ہے کہ اس سے دور رہنے ہی میں اپنی عافیت اور دین و دنیا کی بھلائی سمجھتا ہے۔

جو لوگ، بھاجپا کو محض ایک سیاسی پارٹی سمجھ کر، اس کے کسی اِقدام و عمل کو، دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح، صرف ایک عارضی عمل کی حیثیت سے دیکھتے اور اصل مقصد کی تہ تک نہیں پہنچ پاتے ہیں، وہ، سخت غفلت اور غلط فہمی کا شکار ہو کر، غلط رائے قائم کرتے اور غلط فیصلے کرتے رہتے ہیں۔

مسلم ووٹ، بڑی آسانی کے ساتھ، بھاجپا کو بھی دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح ملتا رہتا اور اس سے وہ، دوری کبھی نہ ہوتی جو آج تک، باقی ہے۔ کیوں کہ سبھی سیاسی پارٹیاں، ہندوؤں ہی کے مکمل کنٹرول میں ہیں اور ان کی قیادت اور لیڈر شپ پر، ہندوؤں ہی کا قبضہ اور غلبہ ہے۔

بھاجپا، اپنے خوش کن وعدوں اور سیاسی بیانات و اِعلانات و اِشتہارات کے ذریعہ ،مسلمانوں کا دل اپنی طرف، مائل کر کے، اُن سے سیاسی رسم و راہ رکھنا اور ان کا ووٹ، حاصل کرنا چاہتی ہے۔ مگر، اس کی ساری کوششیں اور وَرزِشیں بے کار اور بے سود ہو کر، روایتی دوری، اپنی جگہ، باقی و برقرار، رہ جاتی ہے۔

وجہ، اس کی یہ ہے اور صرف یہی ایک وجہ ہے کہ:

بھاجپا (سابق نام: جن سنگھ) درحقیقت آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کے فرقہ پرستانہ و نسل پرستانہ نظریہ کی حامل، ایک سیاسی شاخ ہے جس کے خمیر و ضمیر میں مسلم دشمنی، شامل ہے۔ اور آر ایس ایس کے ساتھ، بھاجپا کی ایسی غیر مشروط وفاداری ہے کہ کچھ بھی ہوتا رہا

ہے۔ اور کوئی بھی چھوٹتا ہے تو چھوٹ جائے مگر، اُس آر ایس ایس کا دامن، ہاتھ سے ہرگز، نہ چھوٹنے پائے، جس کے ایک ورکر، **ناتھورام گوڈسے** نے ۱۹۴۸ء میں گاندھی کو بِرلا ہاؤس، دہلی میں گولی، ماری تھی اور اس کی پاداش میں ملک بھر میں آر ایس ایس کے خلاف، مرکزی حکومتِ ہند نے پابندی، عائد کر دی تھی۔

جنتا پارٹی کے دَورِ حکومت میں اس سوال و مطالبہ پر کہ:

جنتا پارٹی میں شامل ہونے والی جن سنگھ، جنتا پارٹی اور آر ایس ایس میں سے کسی ایک ہی کی ممبری قبول کرے۔ بیک وقت، دونوں کی ممبری، جاری نہیں رکھ سکتی۔ وہ، دو میں سے کسی ایک کا جلد، انتخاب کر لے۔

کشمکش کے اس دَور میں جن سنگھ گروپ نے آر ایس ایس کے حق میں فیصلہ کیا اور شری، اٹل بہاری واجپئی و شری، لال کرشن ایڈوانی کی قیادت میں جنتا پارٹی چھوڑ کر، بھارتیہ جنتا پارٹی کے نام سے ۱۹۸۰ء کے پارلیمانی الیکشن میں حصہ لیا۔

آئندہ بھی کسی بھی فیصلہ کُن مرحلے میں بھاجپا کا یہی فیصلہ ہوگا کہ:

سب کچھ چھوٹے تو چھوٹے مگر آر ایس ایس کا دامن، ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

۱۹۸۹ء کے پارلیمانی الیکشن کے موقع پر، شری، وی پی سنگھ کی پارٹی ''جنتا دل'' سے بھاجپا نے سیٹوں کا سمجھوتہ کیا اور اسی معاہدہ کے سہارے، اٹھاسی (۸۸) پارلیمانی سیٹیں جیتنے میں اس نے کامیابی، حاصل کر لی۔

بھاجپا نے ہمیشہ، وہی کیا ہے جس کا حکم، اسے **آر ایس ایس** نے دیا ہے اور بھاجپا، وہی کرتی رہے گی جس کا حکم، اسے آر ایس ایس اور اس کے ہیڈ کوارٹر، **ناگ پور** (مہاراشٹر) سے ملتا رہے گا۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی شخص، کچھ، سوچتا اور سمجھتا ہے تو، یہ اس کی ابلہی اور خود فریبی ہے۔

مَسولینی اور ہٹلر جیسے نَسل پرست اور ظالم حکمراں، آر ایس ایس کے آئیڈیل (نمونۂ فکر و عمل) ہیں۔ سنگھ پریوار (آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل، ہندو مہا سبھا، ہندو یُوا واہنی وغیرہ) نسل پرستی، فرقہ پرستی، جارحیت پسندی، مسلم دشمنی کے اَجزائے ترکیبی سے مرکّب ،ایک ایسی تنظیمی و تحریکی قوت ہے جس کا اصل نشانہ، اپنے نظریہ اور اپنی قومیت کے دائرے میں تشکیل پانے والے **''ہندو راشٹر''** کا قیام ہے۔

دلی کے نہرو میموریل میوزیم میں موجود ریکارڈوں کے مطابق، ہٹلر اور مسولینی، جیسے

ڈکٹیٹروں اور فاشسٹ لیڈروں کے ساتھ، آر ایس ایس کے قریبی تعلقات تھے۔

اور انھیں کا نسل پرستانہ نظریہ وفلسفہ، آر ایس ایس کا آئیڈیل (نمونہ فکر وعمل) ہے۔

آر ایس ایس کے بانی، آنجہانی، ڈاکٹر، ہیڈ گوار کے ہندو وادی دوست، مسٹر بی ایس مونجے نے ۱۹۳۱ء میں، اٹلی کے سفر میں وہاں کی لائبریریوں، اداروں کو دیکھنے کے ساتھ، نسل پرست لیڈر، مسولینی سے بھی تفصیلی ملاقات کی تھی۔

اٹلی کی نسل پرست تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے، مسٹر مونجے نے لکھا ہے کہ:

ہندوستان، خاص کر، **ہندو بھارت** کو بھی ایسی ہی تنظیموں کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر، ہیڈ گوار کی قیادت میں ہماری تنظیم ''راشٹریہ سویم سیوک سنگھ'' بھی اسی طرز پر بنی ہے۔

میں، تاحیات، ڈاکٹر ہیڈ گوار کی اس تنظیم، آر ایس ایس کی ترقی اور پورے مہاراشٹر اور اس سے باہر، اس کی توسیع کے لئے سرگرم رہوں گا۔

آر ایس ایس کے بانی، آنجہانی، مسٹر، ہیڈ گوار، ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک جس ہندو مہاسبھا کے سکریٹری تھے، ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک، ساورکر، اس کے صدر، رہے۔

ساورکر، جرمنی کے ہٹلر سے کافی متاثر تھے۔

ساورکر نے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں، مالیگاؤں (مہاراشٹر) میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

کسی ملک کی تعمیر، اکثریتی فرقہ کو لے کر ہوتی ہے، نہ کہ اقلیتی فرقہ کو لے کر۔''

نہرو میموریل لائبریری کے مطابق، مسٹر، مونجے نے مسٹر، کھابڑے کو بھیجے گئے ایک خط میں لکھا کہ:

مسلمان، بہت شرارت پسند ہوگئے ہیں۔ کانگریس، ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے، ان کے سامنے، سرِتسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ اِس لئے سرکار اور مسلمان، دونوں کے خلاف، لڑنا ہوگا۔

اس کے لئے آر ایس ایس کا استعمال، آسان اور نفع بخش ہوسکتا ہے۔

''چرخے'' کا مقابلہ، آخرکار ''رائفل'' ہی سے کرنا ہوگا۔''

ہٹلر و مسولینی جیسے ظالم و نسل پرست حکمراں، جنہیں، ساری دنیا نے مسترد کردیا، اُن کا ہی سنگھ پریوار، پرستار ہے۔

ہٹلر کی نسلی تفریق کی پالیسی اور مسولینی کی فاشسٹ تنظیم، اسے پسند ہے۔

اور اسی طرز پر ہندوستان میں، **یہ سنگھ پریوار**، اپنی فرقہ پرست و نسل پرست حکومت، قائم کرنا اور ہندو راشٹر کا اپنا خواب پورا کرنا چاہتا ہے۔ جو اس کے ''**وچار دھارا**'' (طرزِ فکر) اور اس کی

مخصوص ''راشٹریتا'' (قومیت) کی بنیاد پر، قائم ہو۔

آنجہانی، شری، گرو گولوالکر، جو آر ایس ایس کے ایک سربراہ اور اس کے نظریہ ساز لیڈر تھے، ان کے تمام تر نظریات، ہندو راشٹر کے قیام کے محرّک ہیں اور ہندوستان میں:

مسلم وجود کو، ہندو کے لیے ایک چیلنج سمجھتے ہیں۔

''**بینچ آف تھاٹ**'' پڑھ کر، گولوالکر اور آر ایس ایس کے سبھی لیڈروں کے دل و دماغ اور ان کی سوچ کی پرتیں، اور گرہیں، کھلتی نظر آتی ہیں۔

آنجہانی، شری، دین دیال اُپادھیائے، آر ایس ایس کے صفِ اول کے نظریاتی لیڈر ہیں۔

ان کی تحریر وتقریر پر مشتمل، بتیس (۳۲) صفحہ کا ایک پمفلٹ (بزبانِ ہندی۔ مطبوعہ ۱۹۹۶ء۔ نوئیڈا۔ یوپی) ہے۔ اس پمفلٹ میں شری، گولوالکر کا، یہ خیال بھی درج ہے کہ:

جب، پیڑ میں قلم لگائی جاتی ہے تو اس کی نشو ونما ہی بدل جاتی ہے۔ اسی طرح، جب کوئی مسلمان، بنتا ہے تو اس کا بھی یہی حال ہوجاتا ہے۔ اور وہ، بھارت سے الگ ہوجاتا ہے۔''

شری، اُپادھیائے نے یہی خیال، ایک تعلیم یافتہ طبقے کو خطاب (درآندھرا پردیش۔ ۱۷ رمئی ۱۹۶۵ء) کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ:

مسلمان ہونے کے بعد، اس کی نشو ونما اور سوچ ہی بدل جاتی ہے۔ وہ، راشٹر (قوم) سے الگ اور راشٹر کا دشمن ہوجاتا ہے۔

یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں کا مسلمان، راشٹری (قوم پرست) نہیں۔ وہ، انھیں چیزوں کو اپناتا ہے، جو ہندوستان مخالف ہوں۔''

اس پمفلٹ مس یہ بھی ہے کہ شری، اُپادھیائے اور شری، گولوالکر کا خیال ہے کہ:

''مسلمان، اجتماعی طور سے برے۔ اور ہندو، اجتماعی طور سے اچھے ہیں۔''

پونے، مہاراشٹر کی اپنی ایک تقریر (در ۱۹۶۵ء) میں شری، اُپادھیائے کہتے ہیں کہ:

یہاں، مسلمان، تلوار لے کر آئے تھے۔ اِس بات کو بُھلایا نہیں جاسکتا۔

اِسی لئے، یہ بھی نہیں بُھلانا چاہیے کہ:

مسلمان سے چلی آرہی ہماری محاذ آرائی، مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔''

کفر وگمراہی پر مشتمل ''دینِ الٰہی'' کا موجد اور نماز روزہ کا مذاق اڑانے والا مغل بادشاہ، اکبر، چوں کہ، ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوا تھا اِس لئے اس کے بارے میں شری اُپادھیائے کا یہ خیال ہے کہ: **اکبر، مہان (عظیم) ہوگا۔ مگر وہ، ہمارا نہیں تھا۔**

ہم، جب کہتے ہیں کہ ہزار سالہ غلامی سے ہم، آزاد ہوئے تو اس کا سیدھا مطلب، یہی ہوتا ہے کہ:

اکبر کے دَورِ حکومت میں، ہم، غلام تھے۔" (مذکورہ ہندی پمفلٹ)

آر ایس ایس کے ایک سربراہ، آنجہانی، شری، کے، ایس، سدرشن نے بھونیشور (اڑیسہ، انڈیا) کی اپنی ایک عوامی تقریر میں کہا کہ:

مسلمان، اپنے اسلام کا بھارتیہ کرن کرلیں۔ یہاں کی تہذیب کو اپنے اندر، جَذب کرلیں۔

یہ ملک، ایک نسل، ایک تہذیب اور ایک دَھرم کی بنیاد پر ہی مستحکم ہوسکتا ہے۔

(یو این آئی۔ پی ٹی آئی۔ ۲۵؍فروری ۲۰۰۱ء)

ہری دُوار، (اتر پردیش) میں ایک عوامی جلسے کو خطاب کرتے ہوئے، آر ایس ایس سربراہ، شری، کے، ایس، سدرشن نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ:

مسلمان اور عیسائی، اپنی مذہبی عبادت گاہوں کا راشٹریہ کرن کرلیں۔ مکّہ اور ویٹکن سے اپنے رابطے، منقطع کرکے، ہندوستانی بنیں۔

مسلمان اور عیسائی، جب تک،، ملک کی تہذیب سے نہیں جُڑ جاتے، تب تک، ملک کی صحیح تعمیر، نہیں ہوگی۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کو اپنا طرزِ فکر، ہندو قوم پرستانہ بناکر جدید کلچر، اپنانا ہوگا۔"

(۹؍مارچ ۲۰۰۱ء کے اخبارات)

سنگھ پریوار کے مصنّفین و مؤرخین کا خاص مشغلہ، یہ ہے کہ:

تاریخی حقائق و واقعات کو توڑ مروڑ کر، صدیوں پرانی تاریخ، اپنی مرضی اور منشا کے مطابق بنالی جائے اور اسکول و کالج و یونیورسٹی کے نصابِ تعلیم میں ایسا مَواد اور ایسی معلومات، شامل کردی جائیں **جو تعلیم یافتہ ہندوؤں کو، سنگھ پریوار کا ہم خیال و ہم نَوا، بنادیں۔**

مسلمانوں کو تعلیم و تجارت اور ملازمت سے کس طرح، دور رکھا جائے، ان کے سامنے، ایسی مشکلات اور رکاوٹیں، کھڑی کردی جائیں کہ وہ خود، قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے پس ماندگی و بدحالی کا شکار ہوجائیں، ان کی مساجد و مدارس اور قبرستانوں کو اختلافات و تنازعات کا شکار بنایا جائے۔ اور رفتہ رفتہ، ان کی تعلیم و تجارت و ملازمت اور ترقی و استحکام کی راہیں، حکمتِ عملی کے ساتھ، مَسدود کردی جائیں۔

سنگھ پریوار کے یہی، وہ عزائم ہیں، جن کی طرف وہ، قدم بقدم، آگے بڑھ رہا ہے۔

"بُتانِ عَجم کے پُجاری" اگر "تصوُّف" میں کچھ آمیزش۔ یا۔ آلائشِ دنیوی میں اسے ملوّث۔ یا۔ کسی طرح سے اس کا "سیاسی اِستحصال" کرنے لگیں۔ یا۔ کچھ خام کارانِ تصوف، کسی دامِ ہَم رَنگِ زمیں و فریب خوردگی کا شکار ہونے لگیں تو ایمانی غَیرت وحَمیَّت اور شعور و آگہی رکھنے والا ہر مَردِ دانا، اور کوئی بھی بلند فکر و اقبال مند فرزانہ، یقیناً مُضطرب اور بے چین ہوجائے گا۔

اُسے فکر، لاحق ہوگی۔ اور صرف فکر، لاحق نہیں ہوگی، بلکہ یقین و اِعتماد، اِستقلال و اِستقامت اور عزم و حوصلہ کی بلند چوٹی سے وہ، یہ کلمۂ حق بھی بلند کرنے لگے گا کہ:

اگرچہ، بُت ہیں، جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اَذاں، لاالٰـــــــــــہَ اِلَّا اللہ

کسی خطرے کی بُو، اور طوفان کی آہٹ، محسوس کرتے ہی اپنے ساتھ، اپنوں کو بھی بیدار و ہوشیار اور چوکنّا کردینا، فِراستِ ایمانی اور اُخوتِ اسلامی کا تقاضا ہے۔

اور یہی وہ تقاضاے اسلام و ایمان ہے، جسے پوری بلند آہنگی کے ساتھ، پورا کیا ہے اپنے دَور کے امامِ عشق و عرفان، امام احمد رضا، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان نے کہ:

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی، کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو، چوروں کی رَکھوالی ہے
آنکھ سے کاجَل، صاف چُرالیں، یاں وہ چور، بَلا کے ہیں
تیری گٹھڑی، تاکی ہے اور تونے نیند نکالی ہے

صوفی سیمینار و کانفرنس (نئی دہلی) سے متعلق ، چند معروضات

کانگریسی وزیرِ اعظم ، مسٹر نرسمہا راؤ کے دَورِ حکومت میں ۶ ر دسمبر (۱۹۹۲ء) وہ ، اَلمناک تاریخ ہے جس میں بابری مسجد کی شہادت کا حادثہ ، رونما ہوا ۔ اور اس کا ذِمّہ دار ، عام طور پر ، سنگھ پریوار (بھاجپا ، وِشو ہندو پَریشد ، بَجرنگ دَل وغیرہ) کو سمجھا جاتا ہے ۔ بیشتر سیاسی حلقے ، نرسمہا راؤ کی غفلت و کوتاہی ، یا ، در پردہ سازِش ، یا ، خاموش کردار کو بھی اس کا ذِمّہ دار مانتے ہیں ۔ اور مسلمانانِ ہند ، بِلا تکلُّف و توقُّف ، ان دونوں (**سنگھ پریوار و نرسمہا راؤ**) ہی کو شہادتِ بابری مسجد کا مُجرم ، گردانتے ہیں ۔

اِسی لئے اِن دونوں (**سنگھ پریوار و نرسمہا راؤ**) سے مسلمانوں کی ناراضی ، اپنے شباب پر تھی ۔ **جس کا سلسلہ ، اب تک ، جاری ہے ۔**

نرسمہا راؤ لابی کو ، اِس کی سخت فکر ، لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کی شدید ناراضی ، کانگریسی کشتی کو لے ڈوبے گی ۔

۱۹۹۶ء کا پارلیمانی الیکشن ، اس کے لئے موت و زیست کا سوال تھا ۔

اور کچھ ، ایسا ہی ہُوا ابھی کہ مسلمانوں نے ۱۹۹۶ء کے پارلیمانی الیکشن میں کانگریس کو ایسا سبق سکھایا کہ ، مدتوں ، وہ سبق ، اسے یاد ، رہے گا ۔

۱۹۹۹ء کی بات ہے کہ دہلی کی ایک ملاقات میں جب ، مسٹر ، ملائم سنگھ یادو ، صدر سماج وادی پارٹی سے ، مَیں ، بعض مسلم مسائل پر گفتگو کر رہا تھا تو دَورانِ گفتگو ، انھوں نے ایک موقع پر کچھ جھلّا کر ، کہا کہ :

ہم سے ہی سارا حساب ، آپ لیں گے ؟ کانگریس سے حساب نہیں لیں گے ؟

میں نے بَرجستہ اور بلا تکلُّف جواب دیا کہ :

لے لیا ہے اس سے حساب ۔ جبھی تو سڑک پر گھوم رہی ہے ۔ اب ، اس سے اور کیا حساب لیں ؟

ملائم سنگھ نے بات کا رُخ بدل کر ، دوسری بات ، شروع کر دی ۔

کانگریس کی نرسمہا راؤ لابی نے ۱۹۹۵ء میں پورے ملک کا سَروے کرایا کہ :

ہندوستانی مسلمانوں کا ، کون سا طبقہ ، اکثریت میں ہے ؟

سَروے کا مقصد ، یہ تھا کہ : **اس اکثریتی طبقہ کو رام کر کے ، ۱۹۹۶ء کا پارلیمانی الیکشن ، کسی طرح ، جیت لیا جائے ۔**

سَروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ :

ملک میں '' بریلوی خانقاہی '' مسلمانوں کی تعداد ، اسّی (۸۰) فی صد ہے ۔

بَس پھر کیا تھا ، کروڑوں روپے کا بجٹ ، مختص ہو گیا کہ :

اس اکثریتی طبقے کے کے بعض ، زیرِ دام آنے والے مذہبی حضرات کی خدمت میں مختلف ناموں اور مختلف طریقوں سے نذرانہ شکرانہ کی شکل میں کچھ ، پیش کرنے اور اپنی بات ، آگے بڑھانے کا سلسلہ ، شروع کیا جائے ۔

رابطہ کی خدمت ، انجام دینے کے لئے ایک پہنچے ہوئے مَہاشے جی ، منتخب ہوئے کہ بااثر مذہبی حضرات سے رابطہ کر کے ، انھیں ، کانگریس کے حق میں رام کریں ۔

اس رابطہ کا سلسلہ ، کہاں سے اور کیسے شروع ہوا ؟ اور کیا کیا مَراحل ، پیش آئے ؟

یہ تو اندرونی بات ہے ، جسے متعلقہ افراد ہی جانتے ہوں گے ۔

لیکن ! باضابطہ مُہم ، شروع ہونے سے پہلے ، ایک روز ایسا ہوا کہ :

لگ بھگ ، مئی جون ۱۹۹۵ء میں ایک نمائندہ خصوصی ، میرے آفس (ٹیا محل ، دہلی) میں تشریف لائے ۔

اور تھوڑی دیر ، مسلم مسائل پر گفتگو کرنے کے بعد ، انھوں نے ارشاد فرمایا کہ :

کسی اطمینان کی جگہ چلتے ہیں ۔ تا کہ تفصیل سے کچھ گفتگو ہو سکے ۔

چنانچہ ، وہ مجھے لے کر ، پرگتی میدان (نئی دہلی) پہنچے اور وہاں ، ایک جگہ بیٹھ کر ، تمہیدی گفتگو کرنے کے بعد ، انھوں نے فرمایا کہ :

'' اہلِ سنّت کی کوئی مضبوط و متحرک ، ہندوستان گیر تنظیم نہیں ہے ۔ جب کہ دیو بندیوں کی جمعیۃُ العُلما ، پورے ملک میں سرگرم ہے ۔

مَیں چاہتا ہوں کہ اہلِ سنّت کی ایک ایسی تنظیم بنائی جائے جو جمعیۃُ العُلما سے بھی بڑی ہو ۔ یہ کام ، آپ کر سکتے ہیں ۔ **اور اِس کے لئے فنڈ کی کوئی کمی نہیں ہوگی ۔ ''**

اس ، بڑی پیش کش کے سننے کے ساتھ ہی ، میری '' چھٹی حِس '' **بیدار ہو چکی تھی ۔**

میں نے جواباً ، عرض کیا کہ :

'' آپ کا خیال تو اچھا ہے ۔ لیکن ، چند ماہ بعد ہی پارلیمانی الیکشن کی ہماہمی ، شروع ہونے والی ہے ۔ اِس لئے بہتر ہے کہ :

ابھی ، اِس بات کو یہیں رہنے دیں اور الیکشن ، ختم ہونے کے بعد ، کسی روز ، مل بیٹھ کر تفصیلی گفتگو کر لیتے ہیں اور ایک لائحۂ عمل بنانے کے بعد ، کام ، شروع کر دیا جائے گا ۔ ''

میرا جواب ، سن کر ، وہ ، کچھ زیادہ ہی مُرجھائے نظر آئے اور مجلس ، برخاست ہو گئی ۔

مَہاشے جی کا ایک روز ، اچانک میرے پاس ، فون آیا اور بغیر کسی سابقہ ملاقات و گفتگو کے ، بڑے تپاک سے فلسفیانہ انداز میں سلسلۂ کلام ، شروع کیا اور ایک گھنٹہ ، بیس منٹ تک گفتگو کرتے رہے ۔ جس میں **خاص زور اور اِصرار ، اِس بات پر تھا کہ : نرسمہا راؤ سے ملاقات کر لیجیے ۔**

اس کے ساتھ ہی ، بڑے مہذّب انداز میں (بَینَ السُّطُور)

کچھ خصوصی عنایتوں اور نوازشوں کی بھی پیش کش تھی ۔

میں نے دوٹوک انداز میں ، مَہاشے جی کو جواب دیا کہ :

”بابری مسجد کی شہادت میں کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی طرح سے، نرسمہا راؤ کا بھی ہاتھ ہے۔
اِس لئے مَیں، راؤ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔“

انھیں ایام (۱۹۹۵ء) میں ایک صاحب، جو مِلّی مسائل میں برسوں سے دہلی میں سرگرم تھے، اردو صحافی بھی ہیں، وہ، میرے پاس (مٹیا محل، دہلی) آئے اور دیر تک مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ انھیں بھی میں نے ٹکا سا جواب دیا۔ جس کے بعد، وہ، مایوس و نامراد، واپس لوٹے۔

صحافیِ مذکور، آج کل بھی، ذاکر نگر (جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵) میں چلتے پھرتے اور ٹہلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ابھی، اِسی مارچ (۲۰۱۶ء) کے آغاز میں وہ، اچانک ایک روز مجھ سے ملے اور ۱۹۹۵ء کی اپنی کوشش اور ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ:

”آپ، کسی طرح، قابو میں نہ آسکے۔ ورنہ آپ کے لئے معاملہ، بہت لمبا تھا۔“

عجز و نیاز کے ساتھ، بارگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں کہ:

اُس نے اپنے ایک بندۂ ناتواں کو ایک بہت سنگین امتحان میں کامیاب و بامُراد بنایا۔ اور:

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جُنبش میں
جسے غرور ہو، آئے، مجھے شکار کرے

دو ڈھائی ماہ پہلے ”عُلما و مشائخ بورڈ“ کے ایک نمائندۂ خصوصی، میرے پاس (دارُ القلم، دہلی) آئے اور انھوں نے انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار، بِالخُصوص سیمینار کے تعلق سے گفتگو کی۔

سب کچھ سننے کے بعد، میں نے صاف الفاظ میں اپنی شرکت سے انکار کر دیا۔

جب کہ اُس وقت اِس صوفی کانفرنس و سیمینار کے تعلق سے کوئی چرچا تھا، نہ ہی لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ علم تھا۔

خود، مجھے بھی پروفیسر، طاہر القادری اور شری، نریندر مودی کی شرکت کا کچھ علم، نہ تھا۔

نمائندۂ خصوصی کی طرف سے عدم شرکت کی وجہ پوچھے جانے پر میں نے جواب دیا کہ:

”دہلی کے تیس (۳۰) سالہ سیاسی و صحافتی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں، یہ رائے، قائم کی ہے، اور یہ فیصلہ، مَیں نے کیا ہے۔“

بعد کی ایک گفتگو میں اسی نمائندۂ خصوصی نے کہا کہ:

بورڈ کے صدرِ محترم، آپ سے ملاقات کے لئے دارُ القلم، آنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا کہ: وہ میرے پاس تشریف لائیں۔ یا۔ مَیں، ان کے پاس جا کر، ملاقات کروں۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔

مگر، اِس وقت، اِس موضوع پر کوئی ملاقات و گفتگو، مناسب نہیں۔

یہ جواب، میں نے اِس لئے دیا کہ: اپنے فیصلہ اور موقف سے کسی قیمت پر، مَیں دست بردار نہیں ہو سکتا تھا اور وہ، اپنی منزل کی طرف، اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ قدم، پیچھے نہیں ہٹا سکتے تھے۔ ایسی صورت میں اِس موضوع پر کوئی ملاقات و گفتگو، نہ صرف، یہ کہ بے سود رہتی، بلکہ خطرہ، اِس بات کا تھا کہ:

گفتگو کے کسی مَرحلے میں کسی طرف سے کوئی تلخی اور پھر، بدمَزگی، نہ پیدا ہو جائے۔ اور کسی کے تعلق سے کوئی نازیبا تبصرہ، کسی کی زبان سے نہ نکل جائے۔

سیاسی پارٹیاں، جس کو قریب کر کے اس سے کچھ کام لینا چاہتی ہیں، اُس کے مزاج و معیار کو سامنے رکھ کر ہی کوئی بات کرتی اور تجویز پیش کرتی ہیں۔ یا۔ اُس کی تجویز پر غور کرتی اور اسے آگے بڑھاتی ہے۔

چنانچہ، مقدس شخصیات کے لئے کوئی تقدُّس نُما عنوان، تیار کرتی ہیں۔

اور پھر، انھیں اپنے دامِ فریب کا شکار، بناتی ہیں۔

جسے فریب خوردہ لوگوں کو سمجھنے میں اکثر اوقات، کافی دیر ہو جاتی ہے۔ اور آنکھ، اُس وقت کھلتی ہے جب، وہ، کسی دَلدل میں پھنس چکے ہوتے ہیں۔

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار (۱۷ر تا ۲۰؍ مارچ ۲۰۱۶ء۔ نئی دہلی) کی تیاریاں، زور وشور کے ساتھ، جاری ہیں۔ ملکی وغیر ملکی بہت سے عُلما و مشائخ کی آمد و شرکت کا چرچا ہے۔

اس کے ساتھ ہی عوام و خواص کے ذہنوں اور ان کی محفلوں میں، یہ سوالات بھی گردش کر رہے ہیں کہ:

(۱) سیکڑوں مدعو حضرات، بِالخُصوص غیر ملکی مندوبین کی آمد و رفت، فائیو اِسٹار ہوٹلوں میں قیام و طعام اور متعلقہ اِنتظامات کے اِخراجات، کروڑوں میں ہیں۔ جس کے لئے مسلمانوں کے مالی تعاون اور چندہ کی کوئی خبر نہیں۔

آخر، اتنی خطیر رقم اور اتنا بڑا فنڈ، کہاں سے آ رہا ہے۔ یا۔ کہاں سے آئے گا؟

تعلیم و تجارت و صنعت و حرفت اور رفاہی اُمور کے لئے مختلف وزارتوں اور محکموں کی سرکاری مراعات اور طرح طرح کی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے کے قانونی اور جمہوری عمل کی بات، الگ ہے۔

اس کا باضابطہ تحریری ریکارڈ، اداروں، تنظیموں، اور وزارتوں و محکموں کے دفاتر میں موجود ہوتا ہے۔

جنھیں لینے اور دینے والے فریق، بلا جھجک، دوسروں کو بتا سکتے ہیں۔

کسی بھی حکومت کی طرف سے اس طرح کا تعاون ملنا اور اسے حاصل کرنا، سارے ہندوستان میں رائج و معمول ہے۔ جسے کوئی شخص، غلط اور بُرا نہیں سمجھتا ہے۔

مگر، خالص مذہبی پروگرام، منعقد کرنے کے لئے کوئی بھی حکومت، کسی طرح کا بھی کوئی مالی تعاون کر ہی نہیں سکتی ہے۔

ہاں! صرف، ایک صورت ہے کہ:

بِلا حساب وکتاب کا پیسہ، جس طرح، ایم ایل اے اور ایم پی کے الیکشن میں پارٹیاں، خرچ کرتی ہیں اور انتخابی امیدوار، اپنے ووٹروں پر، خرچ کرتے ہیں، اُس طرح کی کوئی صورت، اختیار کی جائے۔

مگر، کہاں سے آ رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ کتنا آ رہا ہے اور کتنا جا رہا ہے؟

لینے دینے والا کوئی فریق، اِس طرح کے سوالات کا جواب، کُھل کر، دینے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتا۔

یعنی، مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ: غالباً ''نا معلوم ذرائع'' کے کثیر سرمایہ سے اِس صوفی کانفرنس وسیمینار، نئی دہلی کا اِنعقاد ہو رہا ہے۔

اب سوال، یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ کے کسی دَور میں صوفیہ ومشائخ کے کسی طبقہ نے ''مشکوک بلکہ مذموم ذرائع'' سے تصوف کی کبھی کوئی خدمت کی ہے؟

اور ایسی کسی خدمت کو کسی صوفی مشرب میں کبھی رَوا سمجھا گیا ہے؟

(۲) پروفیسر، طاہر القادری، بانیِ ادارہ منہاج القرآن، لاہور کے:

بعض مذہبی تجاوُزات واِنحرافات، ایسے ہیں کہ:

پاکستان کے ذِمَّہ دار ومُستند علما ومشائخ میں سے کسی ایک بھی ایسی معروف ومُعتمد شخصیت، یا۔ کسی مرکزی سُنّی ادارے، مثلاً: دار العلوم حزبُ الاحناف، لاہور و جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور و انوار العلوم، ملتان، اور دار العلوم امجدیہ، کراچی و دار العلوم نعیمیہ، کراچی وغیرہ میں سے کسی کا نام، پیش نہیں کیا جا سکتا، جس کی کوئی تائید **وحمایت، پروفیسر طاہر القادری کو حاصل ہو۔ بلکہ اختلاف اور شدید ناراضی کا ماحول پایا جاتا ہے۔**

پروفیسر، طاہر القادری کے تعلق سے کم از کم جو بات، کوئی شخص، کہہ سکتا ہے وہ، یہ کہ:

''مشکوک ومُتّہم''، شخص ہیں۔''

اور مشکوک ومُتّہم شخص۔ یا۔ جگہ سے، دور رہنے کی ہدایت ہے۔

جیسا کہ اہلِ سنَّت کے بزرگ ترین عالم، شیخُ الاسلام، حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں، اشرفی کچھوچھوی، دَامَ ظِلُّہُ الْعَالی نے اپنے ایک (مُکالَماتی)

تازہ بیان میں پروفیسر، طاہر القادری کے تعلق سے، یہی ہدایت فرمائی ہے۔

ایسی صورت میں پروفیسر، طاہر القادری کو اِس کانفرنس وسیمینار میں مدعو کرکے، خواہ مخواہ کے اِختلاف واِنتشار کو دعوت دینے اور ہندوستان کے بے شمار عُلمائے اہلِ سنَّت کو ناراض کرنے کی ضرورت، کیا تھی؟

اور یہ بھی ایک عجیب حادثہ ہے کہ وہابیوں کی امامت قبول کرنے والے طاہر القادری کو، نہایت سختی کے ساتھ، اِنکارِ امامت کا اعلان کرنے والے بورڈ نے دعوتِ بلا ضرورت وحاجت دے کر، دورۂ ہند اور

شرکتِ کانفرنس وسیمینار کی زحمت ہی کیوں دی؟

(۳) وِگیان بھون، نئی دہلی، ایسی وی آئی پی جگہ ہے، جہاں، شاید ہی اب تک کسی مسلم تنظیم کا کوئی پروگرام ہوا ہو۔

اِس وِگیان بھون کے انتخاب کی حکمت ومصلحت، یہی سمجھ میں آتی ہے کہ:

شری، نریندر مودی، وزیر اعظم حکومتِ ہند، صوفی سیمینار کا، اِس وِگیان بھون میں اِفتتاح کرتے ہوئے اِفتتاحی خطاب بھی فرمائیں گے۔ جس کا منتظمین کی طرف سے، باضابطہ اعلان، ہو چکا ہے۔

جب کہ تصوف کانفرنس وسیمینار میں کسی سیاسی لیڈر کی شرکت کی ضرورت ہی کیا تھی؟

اور اگر کچھ ضرورت، محسوس کی گئی تو آخر، صرف ایک سیاسی شخصیت کو اِس پروگرام میں مدعو کرنے اور اسے خطاب کرنے کا موقع دینے کا مقصد کیا ہے؟

شری، نریندر مودی کو بحیثیتِ وزیر اعظمِ ہند، مدعو کیا جا سکتا تھا تو شری کیجریوال (صدر ''عام آدمی پارٹی'') کو بحیثیتِ وزیر اعلیٰ دہلی، کیوں، مدعو نہیں کیا گیا؟

اور بعض دوسری سیاسی پارٹیوں کے سربراہان کو بھی تو مدعو کیا جا سکتا تھا؟

تنہا، شری، مودی کی شرکت واِفتتاح وخطاب، ایسے سوالات کو جنم دیتے ہیں جن کا کسی کے پاس، کوئی جواب، نہیں۔

اِس کا مقصد، اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ:

سیکڑوں عُلما ومشائخ کے جُھرمٹ میں شری، نریندر مودی کی موجودگی اور انھیں خطاب کرتے ہوئے جب کروڑوں لوگ، میڈیا کے ذریعہ دیکھیں گے، سنیں گے، تو وہ، نہ صرف، یہ کہ:

گجرات قتلِ عام ۲۰۰۲ء بھول جائیں گے۔ بلکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک:

اِس طرح، قابلِ قبول ہو جائیں گے کہ شری، مودی کی کشِش، انھیں نظریاتی **مسلم دشمن، بھاجپا سے قریب کردے گی اور بھاجپا، مسلمانوں کے سیاسی حلقوں اور مسلم ووٹروں میں اچھی طرح، اپنی گھس پیٹھ بنانے میں کامیاب ہو جائے گی؟**

ذرا، دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ:

شری، نریندر مودی کی آؤ بھگت، اور محفلِ عُلما ومشائخ کو خطاب کرتے ہوئے دیکھ کر:

اُن مسلم خواتین، اُن ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے دل پر کیا گذرے گی، جن کی وحشیانہ عصمت دری ہوئی ہے؟

جن کے باپ، بھائی، بیٹے ودیگر اہلِ خانہ اور رشتہ داروں کو بے رحمانہ درندگی کے ساتھ، شہید کیا گیا ہے؟

اور اُن مسلمانوں کے دل پر کیا گذرے گی:

جن کے گھر کی عِفّت مآب خواتین کی عزت وآبرو، لوٹی گئی ہے؟

جن کے، اپنوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ، شہید کیا گیا ہے؟

جن گھر بار لوٹے اور جلائے گے ہیں؟

جن کی دکانوں اور فیکٹریوں میں آگ لگائی گئی ہے؟

جن کی مسجدیں، شہید کی گئی ہیں؟

جنھیں، گھرے سے بے گھر اور ذلیل ورُسوا کیا گیا ہے؟

جو، سسکتے، بلکتے، لرزتے، کانپتے ہوئے اپنے آنسوؤں کی زبانی، یہ فریاد کررہے ہیں کہ:

نشیمن پھونکنے والے! ہماری زندگی یہ ہے
کبھی روئے، کبھی سجدے کیے، خاکِ نشیمن پر

صوفی کانفرنس وسیمینار، نئی دہلی کے تعلق سے ایک مختصر ترین تبصرہ، یہ ہوسکتا ہے کہ:

پروفیسر، طاہر القادری، پاک وہند کے مذہبی حلقے میں ایک مخصوص بہ منہاجی جدّت پسندانہ شہرت کے حامل ہیں۔

شری، نریندر مودی، ہندو پاک کے سیاسی حلقے میں اپنے قدامت پسند ہندتوا وادی نظریہ کے لئے مشہور ہیں۔ جو، بچپن ہی میں آر، ایس، ایس کے وَرکر ہوگئے تھے۔

اور اِس کانفرنس وسیمینار کے پلیٹ فارم سے پروفیسر طاہر القادری کو مذہبی قائدِ اعظم اور شری، نریندر مودی کو سیاسی قائدِ اعظم کی حیثیت سے منظرِ عام پر لانا، کسی پوشیدہ حکمتِ عملی کا مقصد، نہ ہو، تب بھی، اس کا نتیجہ، تقریباً یہی نکلے گا اور ضرور نکلے گا۔

کاش! اِس صوفی سیمینار و کانفرنس کا محدود پیمانے پر ہی سہی، اپنے وسائل و ذرائع سے اِنتظام اور پھر اِنعقاد کیا جاتا تو اِس طرح کے بہت سے سوالات، پیدا ہی نہ ہوتے۔ اور سیمینار و کانفرنس کو عُلما و مشائخِ اہلِ سنّت کی تائید وحمایت، عام طور سے حاصل ہوتی اور بھر پور حاصل ہوتی۔

امامُ الْہند، حضرت شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی اور بعض عُلماے خانوادۂ ولی اللّٰھی عزیزی، دہلی کی کتب و رسائل میں تحریفات و اِلحاقات کے مذموم عمل اور بعض فرضی وجعلی تحریرات، منسوب، بہ عُلماے خانوادۂ ولی اللّٰھی عزیزی، دہلی کی نشان دہی کرکے حضرت شاہ رفیعُ الدّین، محدِّث دہلوی کے نواسے کے پوتے، سید ظہیرُ الدّین احمد، عُرف سید احمد، ولی اللّٰھی، دہلوی نے اپنی ایک تحریر میں جس شعر پر اپنی بات ختم کی ہے، وہی شعر، نذرِ قارئین کرکے، مَیں اِس موضوع کی اپنی اِس تیسری تحریر کا اِختتام کرتے ہوئے سلسلۂ تحریر کو موقوف کررہا ہوں کہ:

مَنْ آنچہ حق بود، گفتم تمام
تو دانی دِگر بعد ازیں، وَالسَّـــلام

”سَوادِ اعظم کانفرنس“ کا صدارتی خطاب

خطاب: **مولانا یٰسٓ اختر مصباحی**، ترتیب: **محمد ارشاد عالم نعمانی مصباحی**

محترم سامعین! ”سَوادِ اعظم“ کے نام سے اس تاریخی کانفرنس کے انعقاد پر، ہم، سب سے پہلے قاری، سبطین رضا، قادری ایوبی (خانقاہِ قادریہ ایُّوبیہ۔ پرا کنک۔ ضلع کوشی نگر۔ مشرقی اتر پردیش) کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس اہم موضوع پر کانفرنس کا انعقاد (بتاریخ ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/۲۷/ مارچ ۲۰۱۲ء) کرکے، جماعتِ اہلِ سُنّت، سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے تعارف وتذکرہ وتشہیر کے لئے نہایت تاریخی اور مفید قدم اُٹھایا ہے۔

آپ کی اِس سرزمین پر ”سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت“ کے موضوع پر منعقد ہونے والی اِس ”سَوادِ اعظم کانفرنس“ (جسے حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی وحضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین، رضوی مصباحی اور مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی نے خطاب فرمایا۔) کے اثرات، اِنْ شَاءَ اللّٰہ، وسیع اور ہمہ گیر سطح پر ہوں گے اور اِس نام سے ملک کے دیگر مقامات پر بھی کانفرنسیں، منعقد ہوں گی۔ یہ، آپ کے لئے بہت ہی اعزاز وافتخار کی بات ہے۔

”سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت“ یہ ہمارا نام ہے جو الفاظِ حدیث سے مُستنبط اور ماخوذ ہے۔ ایک حدیثِ مبارک، جسے آپ اس سے پہلے سن چکے ہیں۔ ابنِ ماجہ شریف کی حدیث ہے:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔

سَوادِ اعظم کی اِقتدا و اِتباع کرو، کیوں کہ جو اس سے الگ ہوا، وہ، جہنم میں گیا۔“

”**سَوادِ اعظم**“ کا لفظ سن کر بہت سے لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ:

”**سَوادِ اعظم**“ کا مطلب کیا ہے؟ معنی کیا ہے؟ مفہوم کیا ہے؟

”**سَوادِ اعظم**“ کہتے ہیں، بڑی جماعت کو، جمہورِ اُمّت کو۔

سَوادِ اعظم کا یہ لفظ، حدیثِ رسول سے ماخوذ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ رسولِ اکرم **صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم** نے ارشاد فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْن۔ تمھارے اوپر لازم ہے کہ میری سُنّت اور میرے ہدایت یافتہ خُلفا کی سُنّت کی پیروی کرو، ان کے ساتھ وابستہ رہو۔“

اس حدیثِ رسول کی روشنی میں ہم، اپنے آپ کو اہلِ سُنّت کہتے ہیں۔

گویا، یہ سَوادِ اعظم اور، یہ اہلِ سُنَّت، دونوں ''سُنّی'' نام ہیں۔

ایک حدیث میں ہے: **عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ**۔ اور دوسری حدیث میں ہے: **یَدُاللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ**۔

اِن احادیثِ مبارکہ میں جماعت کے ساتھ، رہنے کی تاکید و ہدایت اور جماعت کے لئے نُصرتِ الٰہی کی بشارت ہے۔ اِس طرح پورا نام ہوا ''**سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت**۔''

اہلِ سُنَّت وجماعت کون ہیں؟ سَوادِ اعظم کون ہیں؟

ایک حدیث ہے جس میں رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''یہ اُمّت، تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ 'کُلُّھَا فِی النَّار' سارے فرقے جہنم میں ہوں گے سِوائے مِلّتِ واحدہ کے، ایک مِلّت کے۔''

سوال کیا گیا حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے کہ، وہ مِلّت کون سی ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَااَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی۔ جس پر مَیں اور میرے صحابہ ہیں۔ اس پر گامزن رہنے والے ہی جنّتی ہیں۔''

دعویٰ، ہر فرقہ کا ہے کہ ''مَااَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی'' کا مِصداق، ہم ہیں۔ سَوادِ اعظم، ہم ہیں۔ اہلِ سُنَّت، ہم ہیں۔ اِس کا پتہ کیسے چلے؟

سَوادِ اعظم، صحیح معنی میں کون ہے؟ اہلِ سُنَّت کون ہیں؟ اِس سلسلے میں اہلِ سُنَّت کے نہایت عظیمُ المَرتبت محدّث، امامُ المُحدّثین، حضرت شیخ عبدالحق، محدّث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) نے بڑی عمدہ اور جامع گفتگو کی ہے اَشِعَّۃُ اللَّمْعَات، شرحِ مشکوٰۃ میں۔ اور انھوں نے فرمایا ہے کہ:

اِس سے پہلے کی جتنی بھی اہم کتابیں (تفسیر وحدیث وفقہ وغیرہ کی) ہیں، اِکٹھّا کر لی جائیں اور ان کی روشنی میں تحقیق کر کے، نتیجہ نکالا جائے تو، یہ اہلِ سُنَّت ہی، سَوادِ اعظم ہیں۔ اور یہی ''مَااَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِی'' کا مِصداق ہیں۔

تفسیر وحدیث اور فقہ وکلام کی صدیوں قدیم کتابوں سے یہی ثابت ہے۔''

اَلْحَمْدُلِلّٰه! کل بھی ہم، سَوادِ اعظم تھے اور آج بھی سَوادِ اعظم ہیں۔ یہاں تک کہ:

جب، شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کی تقریروں اور تحریروں کے نتیجے میں ہندوستان کے اندر، ایک نئے فرقے کی بنیاد پڑی، فرقۂ وہابیہ کی ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں، اُس وقت بھی جامع مسجد دہلی کے اندر، جو مباحثہ اور مناظرہ ہوا اُس کی روداد بیان کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے کہا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے ''آزاد کی کہانی، آزاد کی زبانی''۔ عبدالرَّزّاق ملیح آبادی، ندوی نے جسے مرتّب کیا ہے۔ ابوالکلام آزاد نے اس میں، یہ کہا ہے کہ:

شاہ اسمٰعیل دہلوی سے یہ مباحثہ جو ہُوا اُس میں سارے عُلمائے دہلی ایک طرف تھے اور

شاہ اسمٰعیل دہلوی اور ان کے ماننے والے ایک مولوی عبدالحیّٔ (بڈھانوی) دوسری طرف۔''

اور ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کے بقول:

شاہ منوّر الدین دہلوی، شاگردِ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی، اس مناظرہ کے انعقاد کے سلسلے میں اور شاہ اسمٰعیل کے تعاقُب میں پیش پیش تھے۔''

مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی و مولانا شاہ محمد موسیٰ دہلوی فرزندانِ شاہ رفیعُ الدین دہلوی، فرزندِ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی، اور علاّمہ فضلِ حق خیرآبادی و مولانا رشیدُ الدین خاں دہلوی تلامذۂ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی اور دیگر عُلما و مشائخِ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت نے شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) اور ان کے ہم خیال مولوی عبدالحیّٔ بڈھانوی (متوفی ۱۸۲۸ء) کو مباحثۂ جامع مسجد، دہلی (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) میں بالکل عاجز وساکت ولاجواب کر دیا۔

گویا، ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں بھی سَوادِ اعظم، اہلِ سُنَّت وجماعت ہی تھے۔ اور اس سے جو الگ ہوئے، اُن میں قابلِ ذکر جو جامع مسجد دہلی کے مباحثہ میں نام تھا، وہ صرف دو تھے۔ اور ان دونوں کے بِالمقابل، سارے کے سارے عُلما و مشائخِ کرام، سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت تھے۔

یہ ہندوستان کے ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء کی بات ہے۔

اور ہندوستان کے اندر، سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے نمائندہ، وہ عُلما و مشائخ کرام بھی ہیں، مختلف صدیوں اور اَدوار کے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر، اسلام کی نشر واشاعت، صوفیہ و مشائخ کرام کے ذریعہ، زیادہ ہوئی۔ جن میں، یہ حضرات، نمایاں ہیں:

حضرت داتا گنج بخش، ہجویری، لاہوری و حضرت بہاءُ الدین زکریا، ملتانی و حضرت خواجہ معینُ الدین، چشتی، اجمیری و حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر و حضرت خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی دہلوی و حضرت محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیا دہلوی و حضرت مخدوم علی احمد علاءُ الدین صابر کلیری و حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی و حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری اور اس طرح کے دیگر اکابر صوفیہ و مشائخ کرام۔

یہ سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت وجماعت کے پیشوا اور رہنما و قائد و سالار رہیں۔ اور دُنیا جانتی ہے کہ یہ سارے کے سارے صوفیہ و مشائخ کرام، سُنّی تھے۔ اور سُنّی ہونے کے ساتھ، حنفی بھی تھے۔

لوگ، آج کل، بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں اِتحادِ اُمَّت کی اور اِتحاد بینَ المسلمین کی۔ مَیں، ان سے کہتا ہوں کہ:

یہ شخصیات، جن کے ذریعہ، ہندوستان کے اندر، اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے قدیم مذہب

ومسلک پر، سب لوگ آ جائیں تو خود بخود، ساری اُمّت کا اتحاد ہوجائے گا۔ اور باطل مذاہب ومسالک کا وجود، خود بخود، مٹ جائے گا۔ اس کے لئے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ اسی طرح سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت و جماعت کا تسلسل وتوارُث بھی اچھی طرح، واضح ہوجائے گا۔

یہ تو ماضی کی بات ہے۔ ابھی حجازِ مقدس کی بات، چل رہی تھی۔ ۸۳،۱۹۸۲ء کی بات ہے۔
میں، مسجدِ نبوی شریف (مدینہ طیبہ) سے عصر کی نماز پڑھ کر نکل رہا تھا۔ باہر، بابِ مجیدی کی طرف، جارہا تھا۔ حضرت مولانا ضیاءُالدین احمد، قادری مہاجرِ مدنی (وصال ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیہ کے دولت کدے کی طرف۔ جن سے نجدی قاضی سے مباحثہ کی ایک بات حضرت علّامہ (محمد احمد، اعظمی، مصباحی) مصباحی نے بیان کی۔ میں، انھیں کے گھر جارہا تھا۔ راستے میں ایک ہندوستانی ندوی اصلاحی مل گئے، جو مجھے ہندوستان ہی سے جانتے تھے۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ:

''یہاں تو سب، آپ ہی کے لوگ، نظر آتے ہیں۔''

وہ، مدینہ یونیورسٹی میں لکچرر تھے اور کئی سال سے مدینہ طیبہ میں مُقیم تھے۔ انھوں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ: **یہاں تو سب، آپ ہی کے لوگ، نظر آتے ہیں۔''**

''آپ ہی کے لوگ'' کا مطلب، یہ ہے کہ سُنّی، زیادہ نظر آتے ہیں۔

یہ سُن کر، میں نے اُن سے کہا کہ: یہاں، ہمارے لوگ نہیں تو کیا آپ کے لوگ، نظر آئیں گے؟
یہ مدینہ طیبہ کا حال، اُس زمانے (۸۳،۱۹۸۲ء) میں بھی تھا۔ اور لوگ، یہ سمجھتے ہیں کہ:
سعودیہ میں سب کے سب، یا، اکثر، وہابی ہی ہیں۔ ایسا معاملہ نہیں۔ سعودیہ کے دو حصے اور دو علاقے اور دو خطے ہیں۔ ایک کا نام ہے **نجد** اور ایک کا نام ہے **حجاز**۔ یوپی اور بہار سمجھ لیجیے۔
نجدی حصے (ریاض، ظہران، دَمّام، عَسیر، اَحسا وغیرہ) میں وہابی رہتے ہیں۔
حجاز کا حصہ، جس میں مکّہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ، جدّہ اور طائف ہیں۔ یہاں کی قدیم آبادی، پہلے بھی سُنّی تھی اور آج بھی سُنّی ہی ہے۔
صرف، حکومتی عُہدوں اور مَناصب پر نجدیوں کے منتخب افسر اور مساجد میں ان کے مقرّر، امام ومؤذن ہوتے ہیں۔ اس لئے بظاہر، ایسا لگتا ہے کہ یہی زیادہ ہیں۔
حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو اصلی حجازی ہیں وہ پہلے بھی سُنّی تھے اور آج بھی سُنّی ہیں۔
اور ابھی، حضرت سید محمد بن علوی مالکی مکی جن کا ۲۰۰۴ء میں انتقال ہوا ہے، حرمین طیبین کے جلیلُ القدر خاندانی مُحدِّث وعالمِ دین وشیخِ طریقت تھے۔ انھوں نے سارے نجدی شیوخ کو چیلنج کیا تھا کہ:

جو، مجھ سے بحث کرنا چاہے، بحث کرلے۔ مَیں مذہبِ اہلِ سُنّت کی حقّانیت واضح اور ثابت کردوں گا۔''

لیکن، کوئی نجدی شیخ وعالم، ان کے سامنے نہیں آیا۔ اور ان کا ادب واحترام، اتنا زیادہ تھا کہ

خود سعودی حکومت بھی ان کی طرف، آنکھ اُٹھانے اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت وہمت نہیں کرسکتی تھی۔ تو، **یہ ماضی قریب اور آج کا حال ہے حجازِ مقدس کا۔**

وہاں پر صرف، حکومتی سطح پر قبضہ ہے نجدیوں کا، عوامی سطح پر، آج بھی سیکڑوں، ہزاروں گھروں میں میلاد شریف ہوتا ہے۔ اور مَیں، خود مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے لے کر ریاض تک **بہت سی محافلِ میلاد میں شرکت کرچکا ہوں۔**

آج کی یہ ''سَوادِ اعظم کانفرنس'' جو در حقیقت ''سَوادِ اعظم اہلِ سُنَّت و جماعت کانفرنس'' ہے۔ یہ پیغام دینے کے لئے منعقد ہوئی ہے کہ:
جو قدیم سَوادِ اعظم ہے اور جو قدیم اہلِ سُنَّت و جماعت ہیں، ان کی راہ پر سب لوگ آ جائیں۔
یہ بعد کے جو نوزائیدہ باطل مسالک اور مسائل ہیں، یہ خود بخود، ختم ہوجائیں گے۔ ان کا کوئی وجود ہی کہیں باقی نہیں رہ جائے گا۔

اہلِ سُنَّت وعُلمائے اہلِ سُنَّت کے تعلق سے اپنی لاعلمی بلکہ عِناد ومُخاصَمت کی وجہ سے مُعانِدین ومُخالفین کی طرف سے بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔
ان میں سے ایک بات، یہ بھی بار بار کہی اور لکھی جاتی ہے کہ:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ہندوستان کے اندر مسلکی اختلاف پیدا کیا اور اسے پَروان چڑھایا۔''

اِن ناواقفوں، یا مخالفوں کو معلوم نہیں کہ:
۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں جب، تقویۃ الایمان (جس کی تالیف کئی سال پہلے ہی ہوچکی تھی اور نقل در نقل لوگوں تک پہنچتی رہی) منظرِ عام پر آئی تو سب سے پہلا اس کا تحریری جواب، ۱۲۴۰ھ ہی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ) کے شاگردِ رشید، حضرت علّامہ فضلِ حق خیر آبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) نے دیا۔
اور ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ مسائل کے خلاف، عُلمائے اہلِ سُنَّت نے جامع مسجد دہلی میں شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) سے مناظرہ کرکے، بالکل، لاجواب کردیا۔
اور ساتھ ہی ساتھ، یہ تاریخی حقیقت بھی یاد، رکھنی چاہیے کہ:
اس سُنّی وہابی مناظرۂ جامع مسجد، دہلی میں، نہ بدایوں کا کوئی شخص (عالمِ دین) تھا، نہ بریلی کا۔
امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی پر ''مسلکی اختلاف پیدا کرنے کا اِلزام'' نہایت لغو اور باطل ہے جس کی تردید وتغلیط کے لئے اِس حقیقت کا اظہار، کافی ہے کہ:
مناظرۂ جامع مسجد دہلی ۱۲۴۰ھ کے بتیس (۳۲) سال بعد، ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں امام احمد رضا

کی ولادت ہوئی۔ جب کہ خود آپ کے والدِ محترم، حضرت مولانا نقی علی، قادری، برکاتی بریلوی کی بھی اس مناظرہ (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے، چھ(۶) سال بعد، ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں ولادت ہوئی تھی۔

بدایوں و بریلی میں متعدد جلیلُ القدر عُلما تھے۔ ان کی بہت ساری دینی وعلمی خدمات ہیں۔ لیکن، اس تعلق سے جامع مسجد دہلی میں جو کچھ ہُوا، اُس میں صرف عُلماے دہلی شریک تھے اور انھوں نے ہی ان نئے (وہابی) خیالات کا رَدّ و اِبطال کیا۔

دوسرا تاریخی مناظرہ "براہینِ قاطعہ" مؤلّفہ مولانا خلیل احمد، انبیٹھوی، سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) و مصدّقہ مولانا رشید احمد، گنگوہی (متوفی جمادیٰ الآخرہ ۱۳۲۳ھ/اگست ۱۹۰۵ء) کی ایک توہین آمیز عبارت کے خلاف ہوا۔

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں بھاول پور، پنجاب (موجودہ پاکستان) کے اندر ہونے والے اِس مناظرہ میں، ایک طرف، سُنّی عُلماے پنجاب تھے اور دوسری طرف، دیوبندی عُلماے سہارنپور۔ بدایوں اور بریلی کا کوئی عالم، اس سُنّی دیوبندی مناظرہ میں بھی شریک نہیں تھا۔

عُلماے پنجاب کی طرف سے حضرت مولانا غلام دستگیر، قصوری، لاہوری (وصال ۱۳۱۵ھ) اور عُلماے سہارن پور کی طرف سے مولانا خلیل احمد، انبیٹھوی، سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء) مناظر تھے۔ مناظرۂ بہاول پور، پنجاب کی تفصیلی روداد "تَقدِیسُ الْوَکِیل عَنْ تَوھِینِ الرَّشِید وَالْخَلِیل" مؤلّفہ مولانا غلام دستگیر، قصوری، لاہوری، پاک وہند سے شائع ہوچکی ہے۔

اہلِ سُنّت کے درمیان، مختلف اَدوار میں مختلف شخصیتیں، جلوہ گر ہوتی رہیں اور انھوں نے اپنے اپنے طور پر نمایاں دینی وعلمی خدمات، انجام دیں۔

اِدھر، آخری دَور میں سب سے نمایاں اور ممتاز خدمات، فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸/اکتوبر ۱۹۲۱ء) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان کی ہیں۔ جن کی خدمات کے بارے میں آپ بہت، کچھ پڑھتے اور سنتے چلے آرہے ہیں۔

ہندوستان کے اندر، ہماری جو شخصیات ہیں اور ہمارے جو نظریات ہیں، وہ تسلسل کے ساتھ ہیں اور ان کا تسلسل، ہماری شخصیات کا، قدیم دینی وروحانی مراکز کے ساتھ، خانوادۂ ولی اللّٰہی عزیزی، دہلی و خانوادۂ فرنگی محل، لکھنؤ، اور بدایوں، پھر بریلی، ان سب دینی وعلمی مراکز کے عُلما ومشائخ کرام کے ذریعہ، ہماری شخصیات کا تسلسل ہے۔ اور ہمارے نظریات کا تسلسل، اور ہمارے جو عقائد اور معمولات ہیں، وہ سب، مشہور ومعروف ہیں۔ جنھیں ذِکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

سَوادِ اعظم سے الگ ہٹ کر، ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں جو عُلما، سامنے آئے اور جو نظریات، سامنے آئے، وہ بالکل نوزائیدہ ہیں۔ سَوادِ اعظم سے بالکل الگ، ہَٹ کر ہیں۔ تو وہ، ہم سے جدا ہوئے

ہیں۔ ہم، کسی سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ اپنی اصل سے، اپنی جڑ سے، اپنے وجود سے وابستہ ہم، کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ اور ہندوستان سے لے کر حَرَمین طیّبین تک، ہمارا تسلسل، شخصیاتی بھی اور نظریاتی بھی، ہر طرح سے قائم اور باقی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم، اپنے اِن نظریات کو، اپنی اِن شخصیات کو، تسلسل کے ساتھ، جانیں بھی اور ان کا ذِکر و بیان بھی کریں۔

اپنے اکابر و اسلاف کو جاننا، ان کی خدمات کا تعارف کرانا، یہ ہمارا مذہبی، مِلّی اور قومی فریضہ ہے۔ اور جس طرح سے کوئی سعید اور صالح اولاد، کوئی نیک بخت لڑکا، اپنے باپ دادا کا ذکر کرتا ہے اور تعریف کرتا ہے اور تعریف سننے پر خوش ہوتا ہے، ہم کو بھی اسی طرح سے، بلکہ اس سے زیادہ اپنے اسلاف کا اور جتنی بھی نمایاں اور ممتاز اسلامی شخصیات واَفراد ہیں، حسبِ ضرورت واہمیت واِفادیت، سب کا ذِکر و بیان کرنا چاہیے۔ تا کہ نئی نسل، ان سب سے واقف ہو۔ اور یہ وراثت، نسل در نسل، آگے کی طرف، منتقل ہوتی رہے۔

ایسا نہ ہو کہ کوئی نام، جب، نئی نسل کے سامنے آئے تو یہ نوجوان پوچھیں کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ جیسا کہ "سَوادِ اعظم" کا لفظ، جب پہلی مرتبہ، یہاں، آپ کے سامنے آیا تو آپ، چونک گئے کہ "سَوادِ اعظم" کیا چیز ہے؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا مفہوم ہے؟ تو، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ شخصیات کا، نظریات کا، بار بار، ذِکر ہونا چاہیے، ان کا تعارف وتذکرہ کرنا اور کرانا چاہیے اور ان سے وابستہ رہ کر، آگے کا جو کام ہے دینی، علمی، وہ کرتے رہنا چاہیے۔

آج، مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ:

اِس "سَوادِ اعظم کانفرنس" سے بانیِ خانقاہ اور بانیِ ادارہ، حضرت مولانا محمد ایوب شریف القادری، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان کی روح، یقیناً خوش ہورہی ہوگی کہ:

میرے لڑکوں نے، میرے اہلِ خانہ نے، میرے مُریدین، مخلصین، متوسلین اور مُحبین نے میرے چھوڑے ہوئے کام اور مشن کو آگے بڑھایا اور اسے ترقی دی۔

یہ ان کے لئے ایک بے حد روحانی مسرت کی بات ہوگی اور وہ، اپنی قبر میں یقیناً خوش ہو رہے ہوں گے۔

اِس طرح کا کام، یہاں کے جو متعلقین و منتظمین ہیں، ان کو آئندہ بھی کرتے رہنا چاہیے تا کہ ان کا دینی وعلمی فریضہ، ادا ہوتا رہے اور ان کے بزرگوں کی روحیں بھی خوش ہوتی رہیں۔

وَمَاعَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

(خطاب دَر "سَوادِ اعظم کانفرنس" منعقدہ شبِ سہ شنبہ ۳/جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/ ۲۷/مارچ ۲۰۱۲ء۔ (بمقام پپراکنک۔ ضلع کوشی نگر۔ مشرقی اتر پردیش۔ انڈیا)